# دعوتِ فکر

رئیس احمد جعفری

انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اپنے ابنائے جنس کے احوال اور واقعات سے نہ سبق لیتا ہے نہ عبرت حاصل کرتا ہے۔ یہ کمزوری خطرناک بھی ہے اور مہلک بھی۔ واقعات و مثال اس لیے ہوتے ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے، سبق حاصل کیا جائے۔ جو چیزیں غلط نظر آئیں ان سے اجتناب کیا جائے۔ جو بہتر دکھائی دیں ان کی تقلید کی جائے۔

کسی آدمی کو اگر ہم ٹھوکر کھاتے دیکھتے ہیں تو سنبھل جاتے ہیں کہ فوراً اس سے بچے رہیں، کسی کو وبائی بیماری میں مبتلا دیکھتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ احتیاطی تدابیر، دفاعی تدابیر عمل میں لاکر موت کو اپنے سے دُور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کسی کو امراضِ قلب اور دوسرے جان لیوا امراض میں ایڑیاں رگڑتے دیکھتے ہیں تو دل خون ہو جاتا ہے اور غیر ارادی طور پر خدا سے دعا کرنے لگتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اس سے بچانا۔ ہسپتال میں کسی لولے لنگڑے مریض کے ساتھ اگر کسی کو غفلت کرتے دیکھتے ہیں تو اس مریض کی ہمدردی دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور معالج سے بیزاری۔ کسی کارخانے میں، فیکٹری میں کسی مزدور کے ساتھ مالک کو بدسلوکی کرتے دیکھتے ہیں تو مزدور کے حالِ زار پر دل کڑھتا ہے، اور مالک کی ذہنیت پر افسوس ہوتا ہے کسی دفتر میں کسی کلرک کو وقت مقررہ سے زیادہ دیر تک کام کرتے دیکھتے ہیں اور انعام وصلہ سے اس کی محرومی دیکھتے ہیں تو اس کے حال زار پر رونا آجاتا ہے اور دفتر کے سربراہ کی سفاکی پر صدمہ ہوتا ہے۔ خود اپنے بارے میں جب دیکھتے ہیں کہ اہلیت، قابلیت اور استحقاق کے باوجود پیچھے رہ گئے اور دوسرے نے مختلف قسم کے ذرائع استعمال

کر کے ترقی حاصل کر لی تو آنکھیں گریۂ بے اختیار پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ کیا اہلیت، قابلیت اور استحقاق کی قیمت یہی ہے اور نا اہلیت اور عدم استحقاق کو یہی فروغ حاصل ہونا چاہیئے۔

لیکن جب بخت یاور ہوتا ہے، ستارہ گردش سے نکل جاتا ہے۔ اور ہم خود مزدور سے مالک، غلام سے آقا، اپاہج سے معالج اور غریب سے امیر بن جاتے ہیں تو کیا دفعتہً ہماری ذہنیت بدل نہیں جاتی۔

جس مزدور کے حالِ زار پر ہم کڑھا کرتے تھے۔ اب وہی معتوب قرار پاتا ہے۔ جس کلرک کی بدنصیبی پر آنسو بہاتے تھے، اب وہی ہر روز گھڑکیاں کھاتا ہے، تنزل کے مدارج طے کرتا ہے۔ جس اپاہج کو دیکھ کر دل خون ہوا کرتا تھا۔ اب ویسے ہی ہر روز نہ جانے کتنے اپاہج رحم و کرم، اور لطف و عنایت کی بھیک مانگنے دروازے پر آتے ہیں اور دھتکائے جاتے ہیں۔ جن غریبوں کا فاقہ کشی کا عالم دیکھا نہ جاتا تھا، جن کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر دل پر تیر چل جاتا تھا جن کے ننگے بھوکے بچوں کو دیکھ کر رحم کا سمندر سینے سے موج زن ہو جاتا تھا۔ اب وہی دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ آس لگا کر، امید لے کر دعائیں دیتے ہوئے آتے ہیں۔ مگر بابِ عالی پر داخلے کی اجازت نہیں ملتی۔ حالاں کہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ تبدیلی احوال کے بعد ہمارا سلوک ان لوگوں سے جو اب بھی بدقسمتی کے باعث آشفتہ حال تھے ہمارا سلوک زیادہ ہمدردانہ اور مشفقانہ ہوتا۔

## یہی حال زندگی کا ہے

بھائی مرتا ہے، باپ مرتا ہے، ماں مرتی ہے، بیٹا مرتا ہے، دوست مرتا ہے، سب کی مرگ بے مقام پر آنسو بہتے ہیں لیکن دل میں سے کوئی بیٹھا اطمینان دلاتا رہتا ہے کہ بے شک یہ سب مر گئے، دوسرے سب بھی مریں گے، لیکن تو نہیں مرے گا، تو زندہ رہے گا، تجھے کسی طرح گزند نہیں پہنچ سکتا۔ دل میں بیٹھا ہوا جو یقین دہانی کرتا ہے ہم اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور واقعی اپنے آپ کو امر سمجھنے لگتے ہیں۔

درحقیقت یہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ تبدیلیٔ احوال سے ہم سبق نہیں حاصل کرتے۔

اگر ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ ہم بھی اپاہج ہو سکتے ہیں، غریب ہو سکتے ہیں۔ تباہ و برباد ہو سکتے ہیں اور مر سکتے ہیں اور کسی وقت بھی مر سکتے ہیں تو ہمارا سلوک یقیناً دوسروں کے ساتھ وہ نہ ہو، جو ہے، اور جس کی دوسرے شکایت کرتے ہیں۔

اسلام ہمارا مذہب ہے اور اس مذہب پر ہم اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ لیکن اس اعتقاد کی جھلک عمل میں نظر نہیں آتی۔ اگر یہ جھلک عمل میں نظر آنے لگے تو موت سے بے پرواہی، حوادث اور سوانح سے عبرت اندوزی سے گریز، دوسروں کے حالِ زار سے سبق نہ لینے کی عادت قائم ہی نہیں رہ سکتی، پھر تو ہم سچے مسلمان بن جائیں گے اور سچا مسلمان ہی بہترین انسان ہوتا ہے۔

رات کو سوتے وقت بہت سے مسائل ہمیں گھیر لیتے ہیں، اور نہ جانے کیا کیا سوچنے لگتے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر کبھی کبھی اس مسئلے پر بھی غور کر لیا کریں؟